OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
http://sbbu.edu.pk/actaislamica

ہندومت کا نظامِ ذات پات اور فقہ اسلامی کا تصورِ کفائت: ایک تقابلی جائزہ

Caste System of Hinduism and the Concept of "Kafaat" in Islamic Law: A Comparative Study

Dr. Muhammad Zakariya
Lecturer department of Islamic Studies
Abdul Wali Khan University Mardan
zaka336@gmail.com

Mr. Murad Ahmad
Teacher, Elementary and Secondary Education Department, KP.
ahdmurad1@gmail.com

Mr. Kifayat Ullah
Teacher, Elementary and Secondary Education Department, KP.
muftikifayat42@gmail.com

Abstract

Hinduism is generally believed to be a religion promoting and safeguarding caste system and that it has divided the human community in different categories by their caste. The four major castes (Barehman, Kushtriya, Viash and Shudra) are well known. There is also another category of people who are considered to be "Achoot (Untouchable)". The division not remained limited to this little number, but today there are hundreds of communities (known as "Jaties") by caste and they treat one another by value and importance according to the caste status they carry. On the other hand, Muslims consider their Religion "Islam" as religion of equality as it is known from Quranic verses and the last Khutba of the Prophet Muhammad (S. A. W. S). But when a common person comes to know about the concept of "Kafaat" mentioned and explained by Muslim Jurists which emphasis on the marriage of a Muslim woman with a man at least of the same level as of the woman; He, perhaps, may get confused and thought Islam to be promoting inequality. This article is deemed to address this question by comparing position of both the Hinduism and Islam in this regard.
Keywords: *Kafaat, Shart (شرط), Caste, Varna, Jati, Asharama, Karma*

تمہید

پیروکاروں کی تعداد کے اعتبار سے مسیحیت اور اسلام کے بعد ہندوازم کا نمبر آتا ہے۔ایک اندازے کے مطابق ایک ارب کے لگ بھگ انسانوں پر مشتمل ملک ہندوستان کی تقریبا اسی فیصد آبادی ہندومت یا ہندوازم کو اپنا مذہب تسلیم کرتی ہے۔ہندوازم کو ایسے مذہب کے طور پر جانا جاتا ہے جس کی ترکیب میں تین بنیادی عناصر: بت پرستی، کارما[1] (قانونِ جزاء وسزا) اور عقیدہ تناسخ کارفرما ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم امر جس کے لئے ہندومت مشہور ہے،

CC BY

وہ ذات پات کی بنیاد پر سماج کی تقسیم ہے۔ ذات پات کے نظام کے لئے ہندومت میں ورن (Varna) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ایک اور اصطلاح جاتی (Jati) بھی ہندوؤں میں رائج ہے۔

ہندوازم کے بنیادی عقائد و تصورات کے برعکس اسلام خدائے واحد، بعث بعد الموت، اور عقیدہ آخرت جیسے عقائد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام ذات پات کی بنیاد پر سماجی تقسیم کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور عزت و شرف کا معیار خدا کے ہاں مقبولیت کو قرار دیتا ہے۔ تاہم مسلمان فقہا کے ہاں ایک تصور "کفائت" کا بھی ملتا ہے، جس کا مطلب برابری اور مماثلت ہے؛ کہ جب مسلمانوں کے سماج میں کسی مرد و عورت کو نکاح کے بندھن میں باندھنے کا معاملہ درپیش ہو تو ایسی صورت میں مرد و عورت کی سماجی حیثیت اور مماثلت کو مدنظر رکھنا ایک موزوں امر گردانا جاتا ہے۔ یہیں سے کسی کے ذہن میں یہ الجھن پیدا ہوسکتی ہے کہ ہندوازم کی طرح اسلام بھی ذات پات اور سماجی اونچ نیچ کا قائل ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں اسی الجھن اور سوال کو نمٹایا گیا ہے۔

ہندوازم کے نظام ذات پات سے متعلق خود ہندو ماہرینِ مذہب و قانون کے علاوہ مستشرقین، جیسے رابرٹ گنگاٹ وغیرہ نے بحث کی ہے۔ کسی نے اس کی تائید اور کسی نے اس کی مخالفت میں قلم اٹھایا ہے۔ جبکہ فقہ اسلامی کے تصورِ کفائت سے متعلق فقہا کی کتابوں میں تفصیلات ملتی ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ہر دو طرح کے تصورات کو تقابلی عمل سے گزار کر نتائج کو اخذ کیا گیا ہے۔

فقہ اسلامی میں تصور کفائت

عربی زبان میں مستعمل الفاظ "تکافو"، "المکافاۃ"، "الکفاءۃ" اور "الکفء" کا اساسی مادہ "ک، ف، ء" دو چیزوں کے درمیان برابری، مثل اور مماثلت پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہی مادہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ " وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ"[2] کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم پلہ، برابر اور مماثل نہیں ہے۔ حدیث میں "المسلمون تتکافأ دماؤھم"[3] اور "شاتان مکافئتان"[4] کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک شعر میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ "وروح القدس لیس لہ کفاء"۔ ان سب مقامات میں "کفائت" مذکورہ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔[5]

فقہ اسلامی میں "تکافو" یا "کفائت" کا لفظ کئی مواقع جیسے نکاح، قصاص اور مبارزتِ اعدا کے حوالے سے استعمال ہوا ہے۔ نکاح کے باب میں جب کفائت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد نکاح میں معتبر امور میں مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا ہوتا ہے۔[6] کفائت کی عدمِ رعایت اور فقدان عار اور شرم کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور سماج میں اسے ناپسندیدہ گردانا جاتا ہے۔[7] جیسے کہ دین، نسب، آزادی، اور پیشے وغیرہ میں مماثلت اور برابری کا ہونا۔

اگر کفائت کے تصور اور اس کی شرعی حیثیت و مقام سے متعلقہ شرعی نصوص کو تحقیقی عمل سے گزار کر ان کا تجزیہ کیا جائے تو اس حوالے سے دو طرح کی نصوص ملتی ہیں۔ ایک وہ قرآنی آیات اور احادیث ہیں جو انسانی مساوات کا درس دیتی ہیں اور زبان ورنگ، قوم و نسل اور ذات برادری کی بنیاد پر برتری اور تفاخر کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں۔ جیسے قرآن و حدیث کی یہ نصوص کہ:

۱۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.[8]

مذکورہ آیت کے شانِ نزول میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت ایک صحابی ابو ہندؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ حجام تھے، پچھنے لگوایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ سے کہا کہ وہ اپنی عورتوں میں سے کوئی عورت ابو ہندؓ کو اپنی نکاح میں دے دیں۔ اس پر بنو بیاضہ نے کہا کہ کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلاموں کو نکاح میں دیں گے؟[9] اس روایت کو امام ابوداؤدؒ، امام بیہقیؒ اور امام طبرانیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔[10]

مذکورہ آیت یہ بتاتی ہے کہ تمام انسان مٹی کی نسبت سے عزت وشرف میں برابر ہیں کہ سب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ البتہ اسلام میں عزت وشرف کا معیار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو قرار دیا گیا ہے۔[11]

۲۔ سورتِ حجرات ہی میں مذکورہ آیت کے بعد آنے والے آیات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔[12] اور یہ کہ کوئی ایک قوم یا جماعت کسی دوسری قوم یا جماعت کا مذاق نہ اڑائے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد کہ "وَالمؤمِنُونَ و المؤمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ"[13]

۳۔ سورت النساء کی آیت نمبر ا میں تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، پھر انہی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا اور پھر باقی انسانوں کا سلسلہ ان دو سے چلایا۔[14]

۴۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ورِ جاہلیت کے غرور ونخوت اور آباؤ اجداد کے نام پر فخر کی برائی کو ختم کر دیا، انسان دو طرح کے ہیں ایک مؤمن متقی اور دوسرا گنہگار بدبخت۔ اور یہ کہ تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ اور لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں، ورنہ تو اللہ تعالی کے نزدیک اس بھونرے (اس قسم کا کالا کیڑا) سے بھی زیادہ کم تر ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیل کر لے جاتا ہے۔[15]

۵۔ حجۃ الوداع کے موقع پر تمام انسانوں کے لئے پیغمبر اسلام کا یہ عالمگیر پیغام کہ تمام انسانوں کا رب ایک ہی ہے اور ان کا باپ بھی ایک ہی ہے، نہ تو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر۔ اسی طرح فضیلت کا معیار سرخ یا کالا ہونا نہیں ہے؛ فضیلت اور شرف کا واحد معیار تقوی ہے۔[16]

۶۔ ایک روایت کا یہ مضمون کہ اگر کوئی ایسا شخص تمہارے پاس رشتے کا پیغام لائے جس کی دینداری اور اخلاق سے آپ مطمئن ہیں تو اس سے نکاح کا معاملہ طے کر لو، ورنہ تو زمین فتنہ وفساد کا شکار ہو جائے گی۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر اس میں کچھ کمی اور عیب ہو تو پھر بھی ان سے نکاح کے بندھن میں جُڑ جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے پھر اپنی پہلی بات دُہرائی۔ تین بار آپ نے یہی بات کی۔[17]

۷۔ نسب کا قابل عیب امر نہ ہونا اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نسب کوئی گالی کی چیز نہیں کہ اسے گالی بنایا جائے، تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو، بالکل ایسے جس طرح غلہ کا ایک پیمانہ دوسرے بھرے ہوئے پیمانہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور تم میں اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ معزز اور شرف والا وہ شخص ہے جو سب سے اللہ تعالی سے ڈرنے والا ہو۔[18]

حسب ونسب کی بنیاد پر فخر وبرتری اور دوسروں کو حقیر وکم تر خیال کرنا اور سوچ کی حوصلہ شکنی اور نفی پر مذکورہ قرآنی آیات واحادیث کے علاوہ اور بھی بہت ساری نصوص ایسی سوچ پنپنے کی بیخ کنی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ دورِ نبوی میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ ایک قریشی عورت نے غیر قریشی مرد کے

ساتھ نکاح کیا، ایک آزاد عورت نے غلام کے ساتھ نکاح کیا وغیرہ۔ حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح حضرت زیدؓ سے، جبکہ حضرت زینبؓ قریشی اور حضرت زیدؓ غلام تھے۔ اسی طرح حضرت سالمؓ اور ہندؓ بنت الولید بن ربیعہ[19]، حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس اور حضرت اسامہ بن زیدؓ[20] اور حضرت بلالؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف کی بہن کا نکاح[21] وغیرہ؛ کہ ان صورتوں میں معزز اور شریف خاندان کی عورتوں کا نکاح غلاموں کے ساتھ وجود میں آیا۔ حضرت زینبؓ اور زیدؓ کے نکاح میں خود نبی کریم ﷺ نے حضرت زیدؓ کی طرف سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔[22] اسی طرح فاطمہؓ بنت قیس کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسامہؓ سے نکاح کرو۔

انھی نصوص کی وجہ سے فقہائے کرام کی ایک جماعت: امام کرخیؒ، ابو بکر جصاصؒ، سفیان ثوریؒ، امام حسن بصریؒ اور امام ابن حزمؒ نے نکاح کے معاملے میں حسب و نسب اور مال وغیرہ میں مساوات، برابری اور ہم پلہ ہونے کو غیر معتبر گردانا ہے۔[23] البتہ مذکورہ نصوص میں جہاں ایک طرف نسل و نسب پر تفاخر کو ممنوع قرار دیا ہے وہاں دینداری، تقویٰ اور اطاعتِ خدا اور سول اور اس میں ترقی کو عزت و شرف کا باعث اور معیار ہونا بھی بتایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہائے کرام بلا کسی استثنا کفائت میں دینداری کا اعتبار کرتے ہیں۔ دینداری کی اگر بات کی جائے تو اس کی ابتدا اسلام سے ہوتی ہے۔ کفائت کے حوالے سے جو امور ذکر کیے جاتے ہیں ان میں اسلام ایک ایسا امر ہے جو نکاح کی صحت کے لیے بطور شرط رکھا گیا ہے، کہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان نہ ہو تو ان کا نکاح سرے سے باطل ہوگا، اور از روئے شرع وہ نکاح کے بندھن میں نہیں بندھ سکیں گے۔ جہاں تک اسلام کے بعد طاعت و فرمانبرادی کا تعلق ہے، تو فقہائے کرام بالاتفاق اس کو بھی کفائت میں معتبر مانتے ہیں۔ البتہ اسلام کی طرح اس کو کلیدی شرائط میں سے نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اولیا اور زوجین کی رضامندی سے ایک کم دیندار مرد اور زیادہ متقی عورت کا نکاح پھر بھی منعقد ہو جائے گا، البتہ پسندیدہ یہی ہے کہ نکاح میں دینداری کو یکسر نظرانداز نہ کیا جائے۔

مذکورہ نصوص کے علاوہ دوسری قسم کی وہ نصوصِ شرعیہ ہیں جن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نکاح کے سلسلے میں دینداری کے ساتھ ساتھ دیگر امور میں کفائت کا خیال کرنا بھی معتبر ہے، جیسے کہ:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ عورتوں کا نکاح صرف کفو میں کیا کرو۔[24]

۲۔ ترمذی، مستدرک حاکم، ابن ماجہ اور سنن بیہقی میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ تین باتوں میں تاخیر مت کرو: نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے، جنازے میں جب وہ حاضر ہو اور بالغ عورت کے نکاح میں جب اس کا کفو دستیاب ہو۔[25]

۳۔ حضرت بریرہؓ نے اپنے خاوند کے بارے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ وہ ان کے کفو نہیں ہیں تو آپ نے حضرت بریرہؓ کو اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کا اختیار دیا۔[26]

۴۔ ایک دفعہ ایک لڑکی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ شکایت کی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کرایا ہے، تاکہ میری وجہ سے اس کی شان میں کچھ اضافہ ہو جائے، تو رسول کریم ﷺ نے اسے نکاح کو ختم کرنے کا اختیار دیا۔[27]

۵۔ ابن عمرؓ سے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث کہ: العرب بعضهم أكفاء بعض والموالي بعضهم أكفاء بعض إلا حائكٌ أو حجّام۔[28]

6۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تخیروا لنطفکم وأنکحوا الاکفاء۔[29]

۶۔ حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد کہ میں ضرور منع کروں گا کہ اچھی حسب نسب والی عورت کا نکاح اپنے ہم پلہ لوگوں کے علاوہ کہیں اور کیا جائے۔[30]

7۔ یہ حدیث کہ الناس معادن کمعادن الذهب والفضة، خیارهم في الجاهلیة خیارهم في الإسلام إذا فقهوا۔ کہ لوگ سونے چاندی کے کانوں کی طرح ہیں، زمانہ جاہلیت میں ان کا شرف والا آدمی اسلام لانے کے بعد بھی شرف والا ہے بشرطیکہ اسے دین کی سمجھ بھی حاصل ہو۔[31]

مذکورہ روایات نکاح کے معاملے میں کفائت کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ انھی اور ان جیسی دیگر روایات کے وجہ سے جمہور فقہائے کرام نکاح میں دینداری کے علاوہ چند اور امور میں بھی کفائت کو معتبر مانتے ہیں۔ البتہ ان امور کے تعین میں ان کی آراء مختلف ہو گئی ہیں۔ مثلاً امام مالکؒ صرف دینداری اور ان عیوب میں کفائت کو معتبر مانتے ہیں جن کی وجہ سے خیار حاصل ہوتا ہے۔ دیگر فقہائے کرام حسب و نسب، حریت اور حرفت و صناعت وغیرہ میں بھی مساوات اس میں شامل کرتے ہیں۔[32]

جمہور فقہائے کرام کا یہ بھی کہنا ہے کہ کفائت کا محور مرد ہے کہ اس کی دینی اور سماجی حیثیت کو دیکھا جائے گا کہ وہ عورت کے ہم پلہ ہے یا نہیں؛ عورت میں کفائت سے متعلقہ امور کی کوئی قانونی تاثیر نہیں کہ اگر عورت ہم پلہ نہ ہو تو کوئی شرعی اور قانونی حکم مرتب ہو جائے۔ اس کے علاوہ کفائت کے معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ غیر کفو میں نکاح سرے سے درست ہی نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفائت عورت اور اس کے اولیا کا حق ہے؛ نہ تو اولیا کو چاہیئے کہ عورت کا نکاح غیر کفو میں کر کے عورت کے حق کو پامال کریں، اور نہ عورت کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ اولیا کے حق کو نظر انداز کر کے کہیں غیر کفو میں نکاح کرلے۔ ایسی صورت میں بالترتیب عورت اور اس کے اولیا کو منعقد شدہ نکاح پر اعتراض کا قانونی حق حاصل ہوگا، اور مجاز عدالت سے رجوع کر کے اس نکاح کے ختم کرنے کا کہہ سکیں گے۔ لیکن اگر اولیا اور عورت دونوں اپنے کفائت کے اس حق سے دستبردار ہو جائیں اور کسی غیر کفو میں لڑکی کے نکاح کا معاملہ طے کرلیں، تو یہ بالکل درست ہے۔[33]

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کفائت کے قابلِ اعتبار امر ہونے سے متعلق جتنی بھی روایات آئی ہیں وہ اکثر ضعیف ہیں، البتہ ان سب کا مجموعہ حسن کے رتبے تک پہنچ جاتا ہے اور پھر کفائت پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔[34] اس کے علاوہ کفائت کے عدم اعتبار پر دلالت کرنے والی روایات کو مدِ نظر رکھ کر اصل بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ذات برادری اور پیشوں کے ساتھ جو شرف و عزت کا تصور قائم ہو گیا ہے، وہ حقیقت میں غیر اسلامی تصور ہے، لیکن چونکہ یہ انسان کے ساتھ کچھ اس طرح چمٹ گیا ہے کہ انسانی سماج کے لئے اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے، اور یہ کہ اس کی عدم رعایت کی صورت میں بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں؛ اس لیے اسلامی شریعت نے ان عواقب سے بچنے کے لئے نکاح کے معاملات میں اس کے لحاظ کو معتبر گردانا ہے۔ تاہم اسلامی بھائی چارے اور اخوت کی معراج یہی ہے کہ یہ تصور اور تفاوت ختم ہو جائے۔[35] اور اس تصور کے خاتمے کے لیے نرم اور سخت پھیراپوں میں ہدایات و تعلیمات دی گئی ہیں، جیسا کہ اول الذکر طائفۂ نصوص سے ظاہر ہے۔

کفائت کی شرعی حیثیت کے بارے یہ بھی مدِ نظر رہے کہ حسب و نسب کے لحاظ کی مذکورہ بحث نکاح کے معاملات سے متعلق ہے جو انتظامی نوعیت کا مسئلہ ہے کہ اس کی رعایت رکھنے سے معاشرہ فساد و انتشار سے محفوظ رہتا ہے، کہ معاشرے اور خاندان کی بنیادی اکائی میاں بیوی، ان کے خوشگوار اور محبت و مودت بھرے تعلقات اور ان کے نتیجے میں بچوں کی صورت میں صحت مند سوچ کے حامل افراد معاشرے کو فراہم کرنا ہے۔ نکاح ایک ایسا مفید بندھن ہے کہ

اس کے نتیجے میں دو اجنبی گھرانے اور بسا اوقات باہمی ناچاقی کے شکار خاندان آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی، ایثار اور محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور دشمنی دوستی میں بدل جاتی ہے، اور کفائت کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے یہ الفت و مودت بعد میں باہمی ناچاقی، انتشار اور دوریوں میں بدل سکتی ہے۔[36]

نکاح کے معاملے کو چھوڑ کر اور اس سے قطع نظر کرکے شریعت اسلامی نے دیگر معاملات اور زندگی کے دیگر گوشوں میں کفائت کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور نہ ہی اس کی بنیاد پر پیشوں اور ذمہ داریوں کی تقسیم کا کوئی تصور دیا ہے۔ اس کے بہت سارے نظائر سیرتِ نبوی، خلفائے رشدین اور قرونِ اولیٰ کے زمانہ میں ملتے ہیں۔ بلال حبشیؓ کو دیکھئے کہ باوجود حبشی غلام ہونے کے مسجدِ نبوی کے مؤذن ہونے کے منصب سے نوازا گیا، عبیدہ بن الحارثؓ کے ساتھ ان کی بھائی چارگی قائم کی گئی[37] (سہاد، ح ۶۸)، پیغمبر اسلام کے خادم رہے، اور جنت کی بشارت دی گئی، حضرت عمرؓ ان کو "سید نا بلال" کہہ کر پکارا کرتے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ، جن کو نبی کریم ﷺ نے بطور غلام حاصل کیا تھا، کو پہلے آپ ﷺ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا، اور بعد میں حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہ کو ایک لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا، حضرت سالمؓ جو حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، ایک جلیل القدر صحابی تھے اور قبا میں اکابر صحابہ کی امامت کی جن میں حضرت عمرؓ بھی شریک تھے۔[38] حضرت سلمان فارسیؓ جو عجمی تھے، ان کے بارے پیغمبر نے فرمایا کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔[39] حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ کے ایک عامل نے مال کی تقسیم میں عصبیت سے کام لیتے ہوئے عربوں کو مال دیا اور غیر عربوں کو کچھ نہ دیا، حضرت عمرؓ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا مرد کے شر انگیز ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو کم تر سمجھے۔ ایک دفعہ حج یا عمرہ کے سفر کے دوران حضرت عمرؓ کی ملاقات مکہ کے نائب سے ہوئی، آپ نے ان سے پوچھا کہ مکہ میں اپنے پیچھے خلیفہ کس کو مقرر کو مقرر کیا ہے، تو اس نے کہا کہ ابنِ ابزیٰ کو۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یہ ابن ابزیٰ کون ہے۔ تو مکہ کے نائب نے جواب دیا کہ آزاد کردہ غلاموں (موالی) میں سے ایک ہے۔ تو حضرت عمرؓ کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کے ذریعے بہت سے لوگوں کو سربلند کرتا ہے اور کئی ساروں کی شان گھٹا دیتا ہے۔

بعد کے زمانے میں جب عبد الملک بن مروان خلیفہ تھے، تو ایک دفعہ ان کے اور امام زہریؒ کے درمیان مختلف علاقوں کے معزز لوگوں کے بارے میں بات چیت ہوئی، مروان نے امام زہریؒ سے مکہ اور کئی دیگر علاقوں کے معززین کے بارے میں پوچھا، جواب میں امام زہریؒ نے جن جن لوگوں کے نام گنوائے وہ سارے کے سارے موالی تھے۔ صرف کوفہ کے بارے میں امام زہریؒ نے کہا کہ ان میں اشرف و معزز شخص ابراہیم نخعیؒ ہیں اور وہ عربی النسل ہیں۔ مروان کو اس کا بہت دکھ ہوا اور کہا کہ اب موالی ہم عربوں سے شریف ہوگئے ہیں یہاں تک کہ وہ منبروں پر بیٹھ کر خطاب و وعظ کریں گے اور عرب نیچے بیٹھے ہوں گے۔ امام زہریؒ نے جواب میں کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ تو اللہ کا دین ہے، جس نے اس کی حفاظت کی وہ اشرف و معزز بن گیا اور جس نے دین کو ضائع کیا وہ اپنے مرتبے اور مقام سے گر گیا۔[40] اس کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین میں عطاء بن یسارؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، محمد بن سیرینؒ، سفیان ثوریؒ، طاوس بن کیسانؒ، عکرمہؒ، حسن بصریؒ اور بہت سارے دیگر نابغہ روزگار موالیوں نے قرآن و حدیث اور فقہ کی لازوال خدمت کی اور اپنے اور بعد کے آنے والے مسلمانوں کے لئے پیشوا اور مقتدا ٹھر گئے۔[41]

ان سب واقعات سے بڑھ کر قرآن کریم کی وہ تعلیمات ہیں جو گزشتہ اقوام کے سلسلہ میں میں نازل ہوئیں۔ جب ان اقوام کے رؤسا نے اپنے پیغمبروں کو یہ طعنے دیئے کہ آپ کا اتباع کرنے والے تو ہم میں وہ لوگ ہیں جن کی سماجی حیثیت کمتر ہیں۔ قرآن کریم نے ان کی اس روش کی مذمت کی اور

انبیائے کرام کو تاکید کی تم تم اپنے متبعین کے بارے کبھی ایسا نہ سوچنا، ورنہ تو ناکامی اور خسران کو دعوت دو گے۔ اس کی تفصیل کے جابجا قرآن کریم کی آیات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے غرض کفائت سے متعلق اسلام کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنا ہے کہ نکاح کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کفائت کا سرِ مو لحاظ نہیں رکھا گیا۔

ہندومت میں حسب ونسب اور ذات برادری کا تصور

ہندومت کا مذہبی ذخیرہ کتب دو طرح کا ہے: اولین اور بنیادی ماخذ چار وید ہیں۔ اس کو شرتی زمرہ کتب کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی کتابوں میں قانونی و نیم قانونی (دھرم شاستر اور دھرم سوتر)، رزمیہ داستانیں (مہابھارت، رامائن اور بھگوت گیتا) اور پُران شامل ہیں۔ اس دوسری قسم کی کتابوں کو سمرتی زمرہ کتب کہا جاتا ہے۔ ویدوں کو خالص اور براہِ راست الہام تصور کیا جاتا ہے جو رشیوں نے اپنی عظیم روحانی قوتوں سے خدا سے سنا اور پھر جوں کا توں آگے شاگردوں کو منتقل کیا۔ جبکہ سمرتی کتابوں کو الہام بالواسطہ کہا جاتا ہے اور یہ کہ رشیوں نے اپنے الفاظ میں اس الہام کو آگے منتقل کیا ہے۔ سمرتی زمرہ کتب کو ویدوں کی تشریح قرار دیا جاتا ہے اور یہ کہ ان کتابوں کی اساس وید ہیں۔

ہندو اپنے مذہب کو سناتن دھرم کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا مذہب ہمیشہ سے قائم اور چلا آرہا ہے۔ لیکن اس مذہب کے متعلق آریائی نظریہ اس کی ابتدا ۱۶۰۰ ق م کے لگ بھگ بتاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں نووارد لوگ آریا یہاں پر مقامی لوگوں کے ساتھ آباد ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ویدک تعلیمات بھی لائے تھے۔ تاہم ہندومت کی ابتداء، پروان اور ارتقا مقامی اور نواردتیوں کے باہمی میل جول اور ایک دوسرے کی تہذیب کو آہستہ آہستہ قبول کرنے سے ہوئی اور نتیجے میں جو نئی تہذیب وجود میں آتی گئی وہ بعد کے زمانے میں ہندومت کہلائی۔ ویدوں کے بارے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی بتدریج (۱۵۰۰ ق م - ۵۰۰ ق م) مدون ہوئے۔ اسی طرح بھگوت گیتا اور رامائن بھی ۲۰۰ ق م کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد دھرم سوتر اور دھرم شاستر وجود میں آئیں۔

جہاں تک ذات برادری کی بنیاد پر نسلی برتری، عزت وشرف اور ذمہ داریوں کی تقسیم کا تعلق ہے تو اس بارے کہا جاتا ہے کہ ابتدائی ہندومت میں ان بنیادوں پر سماج کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ موجودہ دور کے ہندو سماج کی طرح سخت گیر اور ان گنت ذاتوں اور ذیلی ذاتوں میں لوگ تقسیم در تقسیم کا شکار نہیں تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آریا لوگ جب پہلے پہل ہندوستان میں آئے تو آپس میں سماجی ذمہ داریوں کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم تھے: جنگجو (Warrior)، مذہبی (Priest) اور عام لوگ (Common People)۔ اس ابتدائی دور میں آریوں میں ذات پات کا کوئی شعور نہیں تھا، پیشے موروثی نہیں تھے اور نہ ہی آپس میں شادیوں کی ممانعت کے لئے کوئی قوانین تھے۔ یہ تقسیم ذات پات کے اعتبار سے نہیں تھی بلکہ اس کی حیثیت ادارہ جاتی تھی۔

ہندوستان کی مقامی آبادی کالی رنگت کی حامل تھی جبکہ آریا سفید رنگ والے تھے۔ اس طرح ابتدائی طور رنگ (*Varna*) کی بنیاد پر لوگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ البتہ اُس زمانے میں فضیلت کا معیار ویدوں کے جاننے اور نہ جاننے پر تھا۔ چونکہ آریا ویدوں کا علم رکھنے والے تھے اس لئے افضل ٹھہرے اور مقامی آبادی کا رتبہ ان سے کم تھا۔

بعد کے زمانے میں ذات پات کا نظام پیشوں کی بنیاد پر مرتب ہوا۔ مذہبی پیشوا برہمن (*Brahman*) ٹھہرے، جنگجو کھشتری (*Kshatriya*) کہلائے، تجارت اور زراعت پیشہ ویش (*Vaisya*) جبکہ غیر آریا اور مخلوط آریا (Mixed-Aryans) شودر کہلائے۔ ان کو سب سے کم درجہ دیا گیا اور ان کا کام اپنے سے تین اعلیٰ ذاتوں کی خدمت کرنا ٹھرا۔ رگ وید کے اخیر زمانے کے ایک مناجاتی گیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ برہمن ذات کائنات کے خالق برہما کے منہ سے پیدا ہوئے، کھشتری برہما کے ہاتھ سے، ویش برہما کی ران سے اور شودر برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔

ابتدائی طور پر چار ذاتوں میں یہ تقسیم سخت گیر نوعیت کی حامل نہیں تھی۔ تین اعلیٰ ذاتوں کی شودر ذات کے ساتھ شادی بیاہ کو اگرچہ معیوب جانا جاتا تھا لیکن باقاعدہ طور پر ان کے ساتھ شادیوں کی ممانعت نہیں تھی۔ اسی طرح برہمنوں کی افضلیت بھی مسلم نہیں تھی۔

پھر دھرم سوتروں کے دور میں ذات پات کے نظام میں اس وقت سخت گیری آئی جب مذہبی بنیادوں پر اس کا دفاع کیا گیا۔ کارما اور تناسخ کے نظریئے کی تشریحات کے ذریعے بھی اس نظام کو تقویت پہنچائی گئی۔ اور یہ کہا گیا کہ خدائی ضابطے کے مطابق کسی شخص کی نجات کا دارومدار اس کے اپنی ذات کا دھرم (Duty) پورا کرنے پر ہے۔ اور یہ کہ موجودہ زندگی میں کسی شخص کی "ذات" کا تعین اس کے گذشتہ جنم میں "اپنی ذات" کے دھرم کے پورا کرنے پر ہے۔ یہ نظام جو پہلے پہل موروثی نہیں تھا۔ اب موروثی بن گیا، اعلیٰ اور ادنیٰ ذات کی شادیاں ممنوع ٹھہرائی گئیں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھانا بند ہو گیا۔

ہندومت میں ذات پات کی بنیاد پر سماجی تقسیم انہی چار ذاتوں تک محدود نہیں رہی بلکہ معاشرہ ذیلی ذاتوں (Subcastes/Jatis) میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہو گیا۔ اور ہندو معاشرہ میں چار ذاتوں پر مشتمل قدیم آریائی نظام (Varna- System) کی جگہ آج کے ذیلی ذات پات کے نظام (Jati-system) نے لے لی۔ جس کی بنیادی خصوصیات درجہ ذیل ہیں:

۱۔ کسی بھی شخص کی سماجی حیثیت اس کے پیدائش کے ساتھ منسلک ہے کہ وہ اسی ذات میں گردانا جائے گا جس میں وہ پیدا ہوا۔

۲۔ اس کا پیشہ اس کی ذات کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔

۳۔ اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں کے باہمی شادی بیاہ اور کھانے پینے کی ممانعت

ایک اندازے کے مطابق موجودہ دور میں ہندو معاشرے میں تین ہزار (۳۰۰۰) کے لگ بھگ ذاتیں اور ذیلی ذاتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک ایسی ذات بھی پائی جاتی ہے جو اچھوت (Untouchable) کہلاتی ہے۔ اچھوت ذات کو معاشرتی دھارے سے بالکل باہر سمجھا جاتا ہے۔

جدید ہندوستان میں ذات پات کا یہ نظام روبہ زوال ہے۔ اس نظام کو غیر منطقی خیال کیا جا رہا ہے۔ مغربی افکار، جدید تعلیم، بدلتی اقتصادی صورتحال اور جدید سیاسی نظریات نے ذات پات کے اس نظام کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے مذہبی مصلحین جیسے سوامی دیانند اور رام موہن رائے

نے بھی اس نظام کی مخالفت کی ہے۔ بابائے ہندوستان مہاتما گاندھی نے بھی اس نظام کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی۔ کمیونزم نے بھی اس نظام کو کمزور کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستانی آئین کی بنیاد بھی سماجی مساوات پر رکھی گئی ہے جس میں ذات پات کے اس نظام کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔[۴۲]

خلاصہ

ذات پات کے حوالہ ہر دو مذاہب (اسلام اور ہندومت) کے نقطہ نظر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم سماجی اعتبار سے انسانوں کی برابری پر مشتمل ہے، نسلی، لسانی اور نسبی بنیادوں پر تفاخر کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ افضیلت کے لئے معیار دینداری اور خشیت الٰہی کو مقرر کیا گیا ہے۔ تاہم صرف نکاح کے معاملہ میں فقہ اسلامی کے ماہرین نے مرد میں دینداری کے علاوہ حسب و نسب اور صنعت و حرفت میں کفائت کے لحاظ رکھنے کو معتبر قرار دیا ہے کہ عورت اور اس کے اولیا کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ مذکورہ امور میں مرد کی عورت کے ہم پلہ ہونے کو دیکھ سکتے ہیں اور فقدان کی صورت میں وہ عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ایسا نکاح بالکل درست ہی نہیں۔ اگر عورت اور اس کے اولیا ایسے نکاح پر رضامندی ظاہر کردیں تو نہ صرف یہ جائز ہے بلکہ بعض وجوہ میں مستحسن بھی ہے۔ جہاں تک ہندومت کا تعلق ہے تو اس میں ذات پات کے اس تصور کو کارما اور تناسخ جیسے مذہبی نظریات کے ساتھ جوڑا گیا ہے، کہ اگر کوئی مرد و عورت اپنی ذات کے لئے متعین حدود سے نکل کر کوئی کام سرانجام دے گا تو بعد از موت اس کا انجام بھی بھگتنا ہوگا۔ ہندومت میں ذات پات کا یہ تصور اتنا گہرا ہے کہ اس کی رو سے انسانوں کا ایک طبقہ اچھوت (Untouchable) ہے۔ مختصر یہ فقہ اسلامی میں تصور کفائت کی حیثیت انتظامی کا معاملہ ہے جبکہ ہندومت میں ذات پات کا تصور مذہبی بنیادوں پر استوار ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1۔ ہندو تصورِ حیات بعد الممات کے مطابق موجودہ جنم میں انسان کے اچھے برے اعمال کے نتائج اگلے جنم میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ اچھے اعمال ے نتیجے میں اگلے جنم میں اچھی شکل و صورت اور برے اعمال کے نتیجے میں بری صورت کے ساتھ آئے گا۔ چنانچہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ برے اعمال کی وجہ وہ کسی درخت یا کتے وغیرہ کی شکل میں بھی آسکتا ہے۔ اس کے برعکس اچھے اعمال کے بل بوتے وہ اگلے جنم میں کسی اعلیٰ ذات میں میں بھی آسکتا ہے۔ پھر جب یہ بار بار کی جنم میں اچھے اعمال کرتا رہا ہے تو اس کی روح ترقی کرتے کرتے برہما کی ذات میں مل جاتی ہے، اور یوں وہ ابدی سکون حاصل کرلیتا ہے۔ اعمال پر جزا و سزا کے اس قانون کو "کارما"، دوبارہ جنم کو "تناسخ" اور برہما کی ذات میں شامل ہونے کو "نجات" کہتے ہیں۔ (عماد الحسن فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۱۹۸۶)، ص ۸۳-۸۴۔/ پروفیسر غلام رسول چیمہ، ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۸-۲۰۹۔)

2۔ القرآن الکریم، الاخلاص، ۴۔

3۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد (بیروت: المکتبۃ المصریہ)، کتاب الجہاد، باب فی السریۃ ترد۔۔۔، ج ۳، ص ۸۰، حدیث نمبر ۲۷۵۱۔

4۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی العقیقۃ، حدیث نمبر ۲۸۴۲۔

5۔ أبو الحسین أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازی، مقاییس اللغۃ (بیروت: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ)، بذیل مادہ "کفأ"۔/ محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی، لسان العرب (بیروت: دار صادر، طبع سوم، ۱۴۱۴ھ)، بذیل "کفأ"۔

6۔ محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار (دار الفکر، بیروت ۱۹۹۲ء)، ج ۳، ص ۸۵۔

7۔ شمس الدین محمد بن محمد الخطیب الشربینی، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ، ج ۴، ص ۲۷۲۔

8۔ القرآن الکریم، الحجرات، ۱۳۔

9۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن (القاہرۃ، دار الکتب المصریۃ ۱۳۸۴ھ)، ج ۱۶، ص ۳۴۰۔

10۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الاکفاء، ج ۲، ص ۲۳۳۔/ سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر (قاہرہ: مکتبہ ابن تیمیہ ۱۴۱۵ھ)، مسند من یعرف بالکنی، ج ۲۲، ص ۳۲۱، حدیث نمبر ۸۰۸۔/ احمد بن حسین بن علی البیہقی، السنن الکبری، (بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴ھ)، کتاب النکاح، جماع ابواب اجتماع الولاۃ۔۔، باب لا یرد نکاح غیر الکفوٗ، ج ۷، ص ۲۲۰۔

11۔ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآنِ العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۹ھ)، ج ۷، ص ۳۶۰۔

12۔ القرآن الکریم، الحجرات، ۱۰-۱۱۔

13۔ القرآن الکریم، التوبۃ، ۷۱۔

14۔ القرآن الکریم، النساء، ۱۔

15۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، ابواب النوم، کتاب التفاخر بالانساب، ج ۴، ص ۳۳۱، ھدیث نمبر ۵۱۱۶۔/ ابو عیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، محقق، احمد محمد شاکر و محمود فؤاد عبد الباقی و ابراہیم عطوہ (مصر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۹۷۵ء)، ابواب المناقب، ج ۵، ص ۷۳۳، حدیث نمبر ۳۹۵۵۔

16۔ امام احمد ابن حنبل، مسند الإمام احمد بن حنبل، محقق: شعیب الارنؤوط (مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۱ھ)، احادیث رجال من اصحاب النبی ﷺ، ج ۳۸، ص ۴۷۴، حدیث نمبر ۲۳۴۸۹۔

17۔ الترمذی، سنن الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء اذا جاءکم من ترضون۔۔۔، ج ۳، ص ۳۸۷، حدیث نمبر ۱۰۸۵۔/ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، سنن ابن ماجۃ، محقق: شعیب الارناؤط و دیگر، (دار الرسالۃ العالمیہ، طبعہ اولی، ۱۴۳۰ھ)، کتاب النکاح، باب الکفاء، ج ۱، ص ۶۳۲، حدیث نمبر ۱۹۶۷۔

18۔ ابن حنبل، مسند احمد، مسند الشامیین، حدی عقبہ بن عامر الجہنی، ج ۲۸، ص ۵۴۸، حدیث نمبر ۱۷۳۱۳۔

19۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، محقق محمد زہیر بن ناصر الناصر (دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ء)، کتاب النکاح، باب الکفاء فی الدین، ج ۷، ص ۷، حدیث نمبر ۵۰۸۸۔

20۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی نفقۃ المبتوتۃ، ج ۲، ص ۲۸۵، حدیث نمبر ۲۲۸۴۔

21۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، جماع ابواب اجتماع الولاۃ۔۔۔، باب لا یرد نکاح غیر الکفوُ اذا رضیت بہ۔۔۔، ج ۷، ص ۲۲۲، حدیث نمبر ۱۳۷۸۶۔

22۔ القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱۴، ص ۱۸۶۔/ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج ۶، ص ۳۷۵۔

23۔ علاؤالدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع (بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع دوم، ۱۴۰۶ھ)، ج ۲، ص ۳۱۷۔/أبو محمد علي بن أحمد بن سعید بن حزم الأندلسي، المحلیٰ بالآثار (بیروت: دار الفکر)، ج ۹، ص ۱۵۱۔

24۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، جماع ابواب اجتماع الولاۃ۔۔۔، باب اعتبار الکفاءۃ، ج ۷، ص ۲۱۵، حدیث نمبر ۱۳۷۶۱۔

25۔ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ (بیروت: دار الکتب العلمیہ) مؤسسۃ الریان للطباعہ والنشر)، ج ۳، ص ۲۴۸۔

26۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ج ۳، ص ۲۴۹۔

27۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ج ۳، ص ۲۴۹۔

28۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ج ۳، ص ۲۴۹۔

29۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ج ۳، ص ۲۴۸۔

30۔ ابو الحسن علی بن عمر بن احمد الدار قطنی، سنن الدار قطنی (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۴ھ)، کتاب النکاح، باب المہر، ج ۴، ص ۴۵۷، حدیث نمبر ۳۷۸۵۔

31۔ ابن حنبل، مسند احمد، مسند ابی ہریرہ، ج ۱۶، ص ۵۶۰، حدیث نمبر ۱۰۹۵۶۔

32۔ الدکتور وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ (دمشق: دار الفکر، طبع دوم، ۱۴۰۵ھ)، ج ۷، ص ۲۴۱-۲۴۰۔

33۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۲۳۷۔

34۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ج ۳، ص ۲۴۸۔/ابن الہمام، فتح القدیر، ج ۳، ص ۲۹۳۔

35۔ سعید احمد پالنپوری، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (سہانپور: مکتبہ حجاز دیوبند ۱۴۲۴ھ)، ج ۵، ص ۳۴۔

36۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۲، ص ۳۱۷۔/ کمال الدین ابن الہمام، فتح القدیر (بیروت، دار لفکر)، ج۳، ص ۲۹۴-۲۹۳۔/ سعید احمد پالنپوری، رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ (سہانپور: مکتبہ حجاز دیوبند ۱۴۲۴ھ)، ج۵، ص ۳۳۔

37۔ ابن سعد: الطبقات الکبری، ج۳، ص ۸۳۔

38۔ ایضاً

39۔ ایضاً، ج۴، ص۷۷۔

40۔ ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمان معروف بہ ابن الصلاح، معرفۃ انواع علوم الحدیث، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۳ھ، ص ۵۰۳

41۔ تاریخ فقہ اسلامی، ص ۲۱۰-۲۲۵

42۔ L. P. Sharma, HISTORY OF ANCIENT INDIA (Delhi: Konark Publishers Pvt Ltd, 2003), p. 47, 54, 60-64.